QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

انڈین مسلم پرسنل لاء اور ہندوستانی مسلمانوں پر اس کے اثرات: ایک تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of Indian Muslim Personal Law & its impact on Indian Muslims

Dr. Sami Ur Rahman
Associate Professor of Law, Shifa Tameer e Millat University Islamabad.
Email: hod.dsl@stmu.edu.pk
Dr. Khalil Ahmad
Associate Professor, Culture & Heritage Research Center/HOD, Dept. of Archaeology, The Islamia University of Bahawalpur. Email: Khaliliub@yahoo.com
Dr. Khalid Mahmood
Lecturer at Dept. of Pakistan Studies, Allama Iqbal Open University Islamabad, Pakistan. Email: khalid.mahmood@aiou.edu.pk

This article offers a detailed examination of "Contemporary Aspects of Muslim Personal Law in India," tracing its historical roots and evaluating its relevance in the modern context. It begins with an introduction to Muslim Personal Law (MPL), providing a historical overview of its presence and application throughout India's pre-colonial and colonial eras. The discussion highlights how MPL has been a fundamental aspect of the socio-legal landscape for Indian Muslims, adapting over centuries to the changing political and cultural environments. The article then addresses the establishment of the All India Muslim Personal Law Board (AIMPLB) in 1973, exploring its objectives and its pivotal role in overseeing the application of MPL within the Indian judiciary and Muslim community. It discusses the board's mission to ensure that MPL adheres to the Qur'anic doctrines and Hadith, while also navigating the challenges posed by contemporary legal and social frameworks. Additionally, the role of AIMPLB in the broader context of global Islam is considered, with a focus on how the board mediates between traditional Islamic law and modernity to address new social realities. This includes debates on gender rights, marriage, divorce, and inheritance, reflecting the board's ongoing struggle to reconcile religious directives with progressive societal norms. The article further delves into

DOAJ OPEN GLOBAL TRUSTED
Academic Resource Index ResearchBib
Journament
CiteFactor Academic Scientific Journals
اشاریہ اردو جرائد
Electronic Object Identifier
I2OR
Cosmos

current discussions surrounding MPL, such as its interaction with secular laws and its impact on the multicultural fabric of Indian society. It explores how increased awareness and education among Indian Muslims, particularly women, are prompting calls for reforms that align MPL more closely with universal human rights standards while retaining its religious essence. In conclusion, the article provides a nuanced analysis of MPL's role in contemporary India, illustrating its dynamic nature as it continues to evolve in response to both internal community needs and external societal changes. By doing so, the article sheds light on the intricate balance between tradition and modernity within the framework of Muslim Personal Law.

Keywords: Muslim Personal Law, All India Muslim Personal Law Board, Sharia Law Adaptation, Contemporary Islamic Issues, Religious Law and Secularism, Indian Muslims.

تعارف:

انسانی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے،ایک تو اس کی شخصی اور خاندانی زندگی ہے،جس کا دائرہ محدود ہے،اس میں انسان کے ذاتی معاملات آتے ہیں یا پھر وہ چیزیں جو اس کے اور اس کے خاندان کے درمیان معاملات اور حقوق و فرائض سے متعلق ہوتی ہیں۔مثلاً ازدواجی تعلق،ماں باپ اور اولاد کا تعلق،وراثت،ایک دوسرے پر نفقہ اور حق پرورش وغیرہ، دوسری زندگی شہری اور اجتماعی زندگی ہے جس کا دائرہ خاندانی تعلقات کی حدود سے آگے بڑھ کر شہر،ملک اور بین الاقوامی امور تک کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔اسلام نے زندگی کے ہر گوشہ کے لئے خواہ اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہو یا انفرادی زندگی سے،اصول بتائے ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں اور اس کے بعد بھی عمل ہوتا رہا ہے۔لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اجتماعی قوانین،جن کی روشنی میں حکومت چلائی جاتی تھی عملاً ختم ہوتے رہے اور کتابوں میں محفوظ ہوتے چلے گئے۔چنانچہ ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ ہوا تو صرف انفرادی زندگی کے قوانین عملاً باقی رہے،جسے بعد میں عام سرکاری عدالتوں کے حوالے کر دیا گیا،انفرادی زندگی کے یہ اسلامی قوانین"مسلم پرسنل لاء" کہلائے،گویا مسلم پرسنل لا کی اصطلاح انگریزوں کا عطیہ ہے، جو قوانین اسلامی کا ہی ایک حصہ ہے جن کی تفصیلات فقہاءاسلام کے ہاتھوں مرتب ہوئی تھیں اور جن کی بنیاد قرآن وحدیث ہے۔[1]

آزاد ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء:

جب ہندوستان آزاد ہوا تو اس ملک کو ایک جمہوری ملک بنانے کا فیصلہ کیا گیا،جس میں فرد کے ذاتی رجحانات،افکار و عقائد اور تہذیب و تمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور دستور کے بنیادی حقوق کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کر دیا گیا،مگر کچھ مریض ذہنیت مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں شہری قانون نافذ کرانا چاہتی رہی ہے،حکومت بھی بعض عمومی قوانین کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی کوشش کرتی رہی ہے اور کچھ اس قسم کے احکام و ہدایات دیتی آئی ہے، مثلاً

[1] Mawlāna Muhammad Wali Rehmānī, Muslim Personal Law aur Hindustānī Qānūn (India: Jāmia Rehmānī, 2023 A.D), 3.

یہ حکم جاری کیا گیا کہ حکومت کا کوئی ملازم اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعدد ازدواج جو مسلم پرسنل لا کا اہم مسئلہ ہے،کوحکومت نے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا،اسی سلسلہ کا ایک اہم قدم متبنی بل کی شکل میں اٹھایا گیا تھا۔ جو اسلام کے مختلف صریح قوانین و ضوابط سے ٹکراتا اور مسلم پرسنل لا کے ایک اہم حصہ کو پورے طور پر مجروح کرتا ہے اور یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی راہ ہموار کرتا ہے۔ یکساں سول کوڈ سرا سر غیر اسلامی چیز ہے اور یہ موجودہ ہندو کوڈ سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے مسلمانوں کی عائلی زندگی کی پوری عمارت ڈھادی جائے گی۔[2]

مسلم پرسنل لاء انگریزوں کے عہد میں:

ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ اور اقتدار ہوا تو قانون اسلامی کو اس کی محدود شکل میں جاری رکھا گیا اور فیصلے کے لئے نظام قضاء باقی رکھا گیا۔بعد کو یہ مسائل بھی عام عدالتوں کے حوالہ کر دیے گئے لیکن مسلمانوں کے معاملات میں قانون شریعت کو جاری اور باقی رکھا گیا۔[3] انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ میں اس کی تصریح کر دی گئی کہ:

> "شریعت ایکٹ کے نفاذ کے بعد کوئی دوسرا رواج یا دستور جو اس وقت تک عمل میں رہا ہو۔
> شریعت کے خلاف ان معاملات میں جو مسلم پرسنل لا کے مطابق مسلمانوں میں نافذ کئے
> جانے چاہئیں،لاگو نہیں ہوگا"۔[4]

لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگرچہ مسلم پرسنل لا اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے ہر معاملہ میں وہی ہے جس کا قرآن میں اجمالی تذکرہ ہے اور جس کی وضاحت احادیث کرتی ہیں۔یا جن کے فیصلے اجماع اور قیاس سے ائمہ اربعہ نے کئے ہیں۔یا شیعہ حضرات کے نقطۂ نظر سے ان کے ائمہ مطہرین نے کئے ہیں مگر یہ وسیع مفہوم ہندوستان میں نہیں لیا گیا۔بلکہ مسلم پرسنل لا کو وراثت،نکاح، خلع، (طلاق) ایلاء، ظہار،فسخ نکاح، نفقہ، مہر، حضانت، اوقاف میں محدود کر دیا گیا۔چنانچہ محمڈن لامصنفہ بابورام ورما(تیسرا ایڈیشن) کی پہلی دفعہ حسب ذیل ہے:

دفعہ ۱:

> "ہندوستان میں محمڈن لا صرف ان ہی معاملات میں مسلمانوں پر نافذ ہو گا جن کے لئے
> دستور ہند کے آرٹیکل نمبر ۲۲۵ میں کہا گیا ہے یا ان معاملات میں جن کے بارے میں کسی
> قانون کے ذریعہ ہدایت کی گئی ہے یا اجازت دی گئی ہے"۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۲۲۳ کہتی ہے کہ:

---

[2] Syed Muhammad Rābiʿ Husnī Nadvī, Muslim Personal Law: Mizāj aur Ṭarīqah kār (Lakhnaw: Majlis Tehqīqāt o Nashriyāt-e-Islām, 2010 A.D), 30.

[3] Syed Muhammad Rābiʿ Husnī Nadvī, Muslim Personal Law: Mizāj aur Ṭarīqah kār,7.

[4] Syed Mannat ullah Rehmānī, Muslim Personal Law (Dehlī: Markazī Daftar Āl India Muslim Personal Law Board, 2007 A.D), 8

"جب فریقین ایک ہی پرسنل لا کے ماتحت ہوں تو وراثت اور معاہدہ کے مقدمہ میں ان کی شنوائی ان کے پرسنل لا کے مطابق ہو گی۔ اور فریقین کے پرسنل لا مختلف ہوں تو مقدمہ کا فیصلہ مدعاعلیہ کے پرسنل لاکے مطابق ہو گا"۔

اس طور پر غیر مسلموں کو ان کے مدعا علیہم رہنے کی حالت میں ان معاملات میں قانونِ شریعت سے بری کر دیا گیا۔اس دفعہ میں یہ شرط بھی رکھی گئی تھی کہ یہ حقوق قانون سے بدلے بھی جا سکتے ہیں۔ چنانچہ قانون معاہدہ نے معاہدات کو مسلم پرسنل لا سے خارج کر دیا اور اب معاہدات میں خواہ فریقین مسلم ہی کیوں نہ ہوں انڈین کنٹریکٹ ایکٹ ہی نافذ کیا جائے گا اسی طرح انڈین انٹرسٹ ایکٹ کے ذریعہ سودی لین دین کو مسلم پرسنل لا کی حدود سے باہر کر دیا گیا۔

ابتداءً مسلم پرسنل لاکا تصور بہت مبہم تھا۔بنگال آگرہ، آسام سول کورٹس ایکٹ ۱۸۸۷ء میں کہاگیا کہ:

"کسی متضاد قانون کی غیر موجودگی کی صورت میں وراثت، نکاح، شادی کے تمام معاملات محمڈن لاکے مطابق فیصل ہوں گے۔بشرطیکہ فریقین مسلمان ہوں"۔

ظاہر ہے کہ یہ مبہم تصور انتشار کا باعث بنا اور مختلف ہائی کورٹس نے مختلف رائیں ظاہر کیں۔ اسی لئے انڈین شریعت اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء لایا گیا جس کی رو سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلم پرسنل لا کی حدود میں صرف وراثت، نکاح، خلع، فسخ، طلاق، ایلاء، ظہار، مبارات، حق شفعہ، خورش پوشش، مہر، حضانت، ہبہ اور اوقاف شامل ہیں۔ اسی لئے ثبوت نسب کے احکام قانون شریعت کے تحت داخل نہیں رہے بلکہ قانون شہادت کے مطابق قرار دئے گئے۔ چنانچہ قانون شہادت کی دفعہ ۱۱۲ کی رو سے اگر شوہر کے انتقال کے ۲۸۰ دنوں بعد کوئی بچہ پیدا ہوا تو وہ ثابت النسب نہیں ہو گا۔ حالانکہ فقہ حنفی کی رو سے حمل کی اکثر مدت دو برس ہے اس لئے بعد وفات شوہر کسی عورت کے اگر دو برس کے اندر کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کانسب شوہر متوفیٰ سے ثابت تسلیم کیاجائے گا۔[5]

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ضمیمہ ۷ میں مسلم پرسنل لا کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں بلوغ و عدم بلوغ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ موجودہ دستور ہند کی دفعہ ۲۲۵ ان تمام قوانین کو نافذ قرار دیتی ہے جو دستور کے نفاذ سے پہلے سے نافذ چلے آرہے ہیں۔ نتیجۃً گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء اب بھی مسلمانوں پر نافذ ہیں اور اس وقت تک نافذ تصور کئے جائیں گے جب تک صوبائی دستور ساز اسمبلیاں یا پارلیمنٹ اپنے حدود اختیارات کے اندر ان میں سے کسی دفعہ کورد نہ کردے۔[6]

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا پس منظر:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ایک ایسے وقت میں ہوا جب کہ حکومتی سطح سے متوازی قانون سازی کے ذریعہ شرعی قوانین کو بے اثر کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، پارلیمنٹ میں لے پالک بل پیش کیا جا چکا تھا اور اس وقت کے وزیر قانون

[5] ʿAlā ud Dīn Hṣkafī, Al-Dur al-Mukhtār Sharah Tanvīr ul-Abṣār (Karāchī: H.M. Saīd Company), 234:5.

[6] ʿAlā ud Dīn Hṣkafī, Al-Dur al-Mukhtār Sharah Tanvīr ul-Abṣār, 9.

مسٹر ایچ آر گو کھلے نے اس کو یونیفارم سول کوڈ کی تدوین کی طرف پہلا قدم قرار دیا تھا،دوسری طرف علما، قائدین، مسلم تنظیموں اور جماعتوں کی کوشش سے مسلمانان ہند میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ اگر ان کوششوں کا مقابلہ پوری ملت اسلامیہ اتحاد واتفاق کے ساتھ نہ کرے تو شریعت کے قوانین کو ختم کرنے کی سازش کامیاب ہو جائے گی۔[7]

تحریک خلافت کے بعد مسلمانان ہند کے مختلف مسالک کی عظیم شخصیتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئیں اور اس سلسلہ کی سب سے پہلی نشست مولانا منت اللہ رحمانی صاحب "امیر شریعت رابع بہار و اڑیسہ اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتم دارالعلوم دیوبند کی تحریک پر دیوبند میں ہوئی، اور اس میں طے پایا کہ مسلم پرسنل لا کا نمائندہ کنونشن ممبئی میں منعقد کیا جائے۔چنانچہ 27-28 دسمبر 1972 کو عروس البلاد ممبئی میں تاریخ ساز کنونشن منعقد ہوا یہ کنونشن مسلمانوں کے اتحاد کا نمائندہ اجتماع تھا جس میں اتفاق رائے سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام عمل میں آیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا سال قیام:

بمبئی مسلم پرسنل لا کنونشن منعقدہ 27-28 دسمبر 1972 میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام کا فیصلہ کیا گیا اور پھر اجلاس حیدرآباد منعقدہ 7اپریل 1973 میں اس کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی۔[8]

تحفظ شریعت کی اس تحریک کو مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحب نے شروع کیا اسی کنونشن نے بہ اتفاق آرا مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر منتخب کیا اور مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحب جو اس تحریک کے روح رواں تھے بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری قرار پائے۔

بورڈ کی دو اہم ذمہ داریاں:

مسلم پرسنل لا بورڈ نے دو اہم ذمہ داریاں قبول کیں،ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنا اور ہر اس کوشش کا مقابلہ کرنا جو شریعت میں مداخلت کے لئے براہ راست،بالواسطہ یا متوازی قانون سازی کے ذریعہ کی جارہی ہو۔ دوسرے مسلمانوں کو شرعی احکام، قوانین اسلامی و آداب اور حقوق و فرائض سے واقف کرانا،اسلام کے عائلی قوانین کے نفاذ کی ہمہ گیر جدوجہد،فقہ اسلامی کے تحقیقی مطالعہ کا اہتمام اور شریعت اسلامیہ کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں نئے مسائل کرنا،مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک اور فرقوں کے مابین باہمی اشتراک و تعاون اور روابط و اتحاد کو پروان چڑھانا۔اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ کے وجود،ان کی تہذیبی خصوصیات کی بقا اور ایک تابناک مستقبل کی ضمانت اسی وقت دی جاسکتی ہے جب ان تمام محاذوں پر جامع منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جائے۔[9]

مسلم پرسنل لاء کی شرعی اہمیت:

یاد رکھنا چاہئے کہ مسلم پرسنل لا میں جن شعبہائے زندگی کے قوانین شامل ہیں، وہ نہایت اہم ہیں اور ان کی جڑیں کتاب وسنت میں پیوست ہیں، بلکہ زیادہ تر احکام وہ ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں واضح تصریحات وہدایات موجود ہیں۔

---

[7] Anas Ahmad Qāsmī, Muslim Persona aur Uniform Civil Cod (Āmbour: Madarassah Jāmiʿ al-Ulūm), 15.

[8] Anas Ahmad Qāsmī, Muslim Persona aur Uniform Civil Cod, 27.

[9] https://aimplboard.org/urdu/about_us.html

جو احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں ان کو ماننا مسلمان اور صاحب ایمان ہونے کے لئے بنیادی شرط ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم"[10]

"کسی مسلمان مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا"۔

گویا جب قرآن وحدیث کے ذریعہ کوئی حکم سامنے آجائے تو اب کوئی اختیار نہیں، ان احکام کے واضح ہونے کے باوجود جو اللہ اور رسول کے بجائے ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔

"ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا"[11]

"اور جو کوئی مخالفت کرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کہ کھل چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے راستہ کے خلاف تو موڑ دیں گے اس کو اسی طرف جدھر وہ مڑ گیا ہے اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور بہت برا ٹھکانہ ہے"۔

آج مسلمانوں سے جس یونیفارم سول کوڈ کو قبول کرنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، یہ قانون کس طرح کا ہوگا؟ اسپیشل میرج ایکٹ، اور انڈین سکشن ایکٹ میں اس کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے، جس کے تحت بین المذاہب شادیاں ہوسکتی ہیں، اسپیشل میرج ایکٹ کے تحت نکاح کرنے والوں پر شریعت کا قانون میراث لاگو نہیں ہوگا، اسی طرح انڈین سکشن ایکٹ کی پہلی دفعہ میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہر شخص کو وصیت کرنے کا حق ہے، چاہے جس کے لئے وصیت کرے اور جتنی مقدار کے لئے کردے، لے پالک کے قانون سے مسلمانوں کو استثناء کردیا گیا ہے، لیکن دوسری قوموں کے لئے یہی قانون نافذ ہے کہ متبنیٰ کی حیثیت اصل اولاد کی ہوگی، تو ظاہر ہے کہ یکساں سول کوڈ میں بھی اس طرح کی بات آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام قرآن کے صریح احکام کے خلاف ہیں، اس لئے یکساں سول کوڈ ایک مسلمان کے لئے قطعاً نا قابل قبول ہے۔

اور اس سے قوانین کو قبول کرنے کا مطالبہ کرنا نہ صرف مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کے حق میں مداخلت ہے، بلکہ ان کو عقیدہ وضمیر کی آزادی سے بھی محروم کرنے کے مترادف ہے اور درحقیقت جمہوریت کا قتل اور ملک کے سیکولر کردار کو مسخ کردینے کی نہایت مذموم اور ناپسندیدہ کوشش ہے۔ان سطور سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے مسلم پرسنل لا کی کیا اہمیت ہے اور قانون شریعت کس قدر انسانی فطرت اور انسان کی سماجی ضروریات سے ہم آہنگ ہے۔

مسلم پرسنل لاء اور موجودہ عالمی صورتحال:

ابو عمار زاہد راشدی نے ۲۰ اگست ۱۹۹۹ء کو مرکزی جامع مسجد گلاسگو برطانیہ میں جمعیۃ اتحاد المسلمین کے زیر اہتمام ایک نشست میں "مسلم پرسنل لاء" کے حوالہ سے کچھ نکات پیش کیے جن کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے:

"کچھ عرصہ سے یورپ میں مختلف حلقوں کی طرف سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے کہ مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں کو پرسنل لاء میں اپنا جداگانہ تشخص تسلیم کرانے کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے۔سرکردہ علماء کرام کی یورپی کونسل نے دو ماہ قبل

---

[10] Al-Ahzāb, 36:33

[11] Nisā', 115:23.

جرمنی میں معروف سکالر ڈاکٹر محمد یوسف قرضاوی کی زیر صدارت اجلاس منعقد کر کے اس تجویز کی طرف دینی اداروں کو توجہ دلائی ہے اور برطانوی دارالامراء کے مسلمان رکن لارڈ نذیر احمد نے بھی ایک حالیہ تقریر میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔اس لیے اس بارے میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہ رہا ہوں لیکن قبل اس کے کہ غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے لیے مسلم پرسنل لاء کی اہمیت پر کچھ عرض کروں خود مسلم ممالک میں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم ہیں مسلم پرسنل لاء کی صورتحال کے بارے میں گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔کیونکہ ہمارے شخصی قوانین اور فیملی لاز خود مسلم ممالک میں خطرے میں ہیں اور مسلم حکومتوں پر بین الاقوامی طور پر دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے کہ وہ اپنے ممالک میں عمومی قوانین اور خاص طور پر پرسنل لاء یعنی نکاح و طلاق اور وراثت سے متعلقہ قوانین کو بین الاقوامی معیار کے مطابق بنانے کے لیے قرآن و سنت کے بیان کردہ ضابطوں میں تبدیلی کریں اور انہیں عالمی معیار کے مطابق بنائیں۔

اس سلسلہ میں بین الاقوامی معیار سے مراد اقوام متحدہ کا بنیادی حقوق کا چارٹر اور اس کی تشریح میں اقوام متحدہ کے مختلف اداروں اور کانفرنسوں کی قراردادیں ہیں جن کی بہت سی باتیں نکاح و طلاق اور وراثت کے بارے میں قرآن و سنت کے صریح احکام سے متصادم ہیں۔اسی لیے بین الاقوامی اداروں اور لابیوں کی طرف سے مسلم ممالک سے یہ کہا جا رہا ہے کہ جب وہ اقوام متحدہ کے رکن ہیں اور اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کر چکے ہیں تو انہیں اس کے مطابق اپنے قوانین میں ترمیم کرنی چاہیے اور اقوام متحدہ کے چارٹر اور اس کے اداروں کے فیصلوں کا احترام کرنا چاہیے۔

مسلم پرسنل لاء خود مسلم ممالک میں خطرہ میں ہیں اور انہیں مغربی ممالک کے قوانین سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ایک مسلسل عمل جاری ہے۔اور صرف پرسنل لاء اور خاندانی قوانین کی بات نہیں بلکہ قرآن و سنت کے بہت سے دیگر احکام و قوانین بھی مغربی دباؤ کی زد میں ہیں۔مثلاً اقوام متحدہ کے چارٹر کی ایک دفعہ میں کہا گیا ہے کہ کسی مجرم کو دی جانے والی سزا اہانت، ذہنی اذیت اور جسمانی تشدد سے خالی ہونی چاہیے یعنی سزا ایسی ہو کہ اس میں مجرم کی توہین نہ ہوتی ہو، وہ ذہنی اذیت کا شکار نہ ہو اور اسے جسمانی تشدد کا نشانہ بھی نہ بننا پڑے۔چنانچہ اس بنیاد پر ہاتھ کاٹنے، سنگسار کرنے،کوڑے مارنے اور کھلے بندوں عام لوگوں کے سامنے سزا دینے کے سب قواعد و ضوابط اس بین الاقوامی معیار کے منافی قرار پاتے ہیں۔جرائم کی شرعی سزاؤں کی بین الاقوامی اداروں کی طرف سے جو مخالفت ہوتی ہے اس کی وجہ یہی ہے اور جرائم کی شرعی سزاؤں کو بعض سیاسی لیڈروں کی طرف سے وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دیے جانے کا پس منظر بھی یہی ہے۔

اس حوالہ سے مغرب والوں کا موقف تو سمجھ میں آتا ہے کہ بہت سے اسلامی احکام و قوانین ان کے بقول آج کے بین الاقوامی معیار کے منافی ہیں اس لیے اگر مسلم ممالک نے بین الاقوامی برادری کے ساتھ رہنا ہے تو انہیں اس کے احکام و ضوابط بھی قبول کرنا ہوں گے۔اسی طرح بین الاقوامی اداروں کی یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جن مسلم ممالک نے اقوام متحدہ کی رکنیت قبول کر کے اس کے چارٹر پر دستخط کیے ہوئے ہیں انہیں اس بین الاقوامی معاہدہ کی پابندی کرنی چاہیے۔البتہ ان مسلم حکومتوں کا طرز عمل سمجھ سے بالاتر ہے جو بین الاقوامی معیار اور قرآن و سنت کے قوانین کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کر رہی ہیں اور اس کوشش میں شرعی احکام کا حلیہ بگاڑ دینا چاہتی ہیں۔ اس سلسلہ میں

ہمیں ملائیشیا کے وزیراعظم مہاتیر محمد کی وہ بات پسند آئی ہے جو انہوں نے اقوام متحدہ کی پچاس سالہ تقریبات کے موقع پر مسلم حکومتوں کے سامنے رکھی تھی۔ان کا کہنا تھا کہ مسلمانوں کے بارے میں اقوام متحدہ کے دوہرے طرز عمل پر احتجاج کے طور پر مسلم ممالک کو اقوام متحدہ کی پچاس سالہ تقریبات کا بائیکاٹ کرنا چاہیے اور اقوام متحدہ کے چارٹر پر نظر ثانی کر کے اسے از سرنو مرتب کرنے کا مطالبہ کرنا چاہیے،کیونکہ یہ چارٹر پچاس سال قبل ترتیب دیا گیا تھا جب اکثر مسلم ممالک غلامی کی حالت میں تھے جبکہ آج صورتحال بدل گئی ہے اس لیے عالم اسلام کے موقف اور پوزیشن کو سامنے رکھتے ہوئے اس چارٹر پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگرچہ اس وقت مہاتیر محمد کی یہ بات مسلم حکومتوں نے قبول نہیں کی لیکن یہی موقف حقیقت پسندانہ ہے اور مسلم ممالک کو بالآخر اسی موقف پر آنا ہوگا۔

یہ تو ہے صورتحال مسلم پرسنل لاء کے حوالہ سے خود مسلم ممالک کی۔اب آیئے ان ممالک کی طرف جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں۔اس سلسلہ میں بھارت کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ تمام تر مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود اپنے خاندانی قوانین کا تحفظ کیے ہوئے ہیں اور سید ابوالحسن علی ندوی کی سربراہی میں تمام مکاتب فکر کا مشترکہ ”آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ“ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے پرسنل لاء کے تحفظ کی جنگ لڑ رہا ہے۔بھارت میں "کامن سول کوڈ"کے نفاذ کے نام سے مسلمانوں کے جداگانہ شخصی قوانین کو ختم کرنے کی مہم ایک عرصہ سے چل رہی ہے اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ قومی یکجہتی کی خاطر نکاح و طلاق اور وراثت میں اپنے جداگانہ مذہبی قوانین سے دستبردار ہو کر کامن سول کوڈ قبول کرلیں۔چنانچہ یہاں بھی کامن سول کوڈ سے مراد وہی بین الاقوامی قوانین اور معیار ہے جس کا تذکرہ میں نے پہلے اقوام متحدہ کے چارٹر کے حوالہ سے کر دیا ہے۔مگر انڈین مسلمان اس معاملہ میں بالکل بے لچک ہیں اور پرسنل لاء میں اپنے مذہبی احکام و قوانین کے تحفظ کا پوری طرح عزم کیے ہوئے ہیں جس پر وہ بلاشبہ تبریک وتحسین اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔[12]

مسلم پرسنل لاء موجودہ حکومتی تصرفات کے آئینہ میں:

حالات اور واقعات کی جو ترتیب ادھر چند برسوں میں سامنے آئی ہے، انہیں دیکھتے ہوئے حکومت کے ارادوں کا اندازہ ہوتا ہے۔جب ہندوستان آزاد ہوا اور اس ملک کا دستور بنا تو اس ملک کو ایک جمہوری ملک بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس میں فرد کے ذاتی رجحانات، افکار و عقائد، مذہب و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور ایک عنوان سیکولرزم کا اختیار کیا گیا جس کی وضاحت یہ کی گئی کہ ہندوستان کا نظام حکومت کسی خاص مذہب کا پابند نہیں ہوگا اور ہر شہری کو اپنے طور پر مذہبی امور میں آزادی حاصل رہے گی۔ اس طرح ایک مذہب کے ذریعے دوسرے مذہب کا استحصال نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک خوش آئند تصور تھا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے ہندوستان کے جمہوری نظام حکومت کے تحت سکون کی زندگی گزاریں گے لیکن ارباب سیاست نے اب سیکولرزم کا مطلب رواداری اور غیر مذہبی کے بجائے مذہب کی نفی طے کر کے ایسے معاشرہ کے قیام کی جدو جہد شروع کر دی ہے جس میں مذہب کے اثرات ختم ہو جائیں۔

[12] https://zahidrashdi.org/994

یہی ذہنیت مسلم پرسنل لا کی جگہ یکساں شہری قانون(Uniform Civil Code) نافذ کرانا چاہتی ہے اور اس سلسلہ میں دستور ہند کے بجائے رہنما اصول کی دفعہ 44 کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے (Directive Principle) ہندوستان میں یکساں شہری قانون نافذ کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے۔ جس وقت دستور ہند بنا تھا، رہنما اصول کی یہ دفعہ زیر بحث آئی تھی اس وقت مسلم زعماء کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ دستور ہند کے بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی دفعات کے ذریعہ مسلم پرسنل لا کو محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور بنیادی حقوق کی دفعات رہنما اصول سے زیادہ اہم ہیں۔ یہ ساری بحث دستور ساز اسمبلی کی پروسیڈنگ میں موجود ہے۔
عدالتیں اب بھی رہنما اصولوں کے مقابلے میں بنیادی حقوق کو زیادہ اہمیت دیتی رہی ہیں، لیکن سیاسی رہنما مختلف عوامل کی وجہ سے رہنما اصولوں پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ان رہنما اصولوں کے سہارے مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کبھی واضح اور کبھی مبہم الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔
حکومت نے اب تک براہ راست تو نہیں، لیکن بعض عمومی قوانین کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی کوشش کی ہے اور کچھ ایسے احکام اور ہدایتیں جاری کی جاچکی ہیں جن کے باعث ملک میں مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ مسلم پرسنل لا پر عمل نہیں کر سکتا. مثلا یہ حکم جاری کیا گیا کہ حکومت کا کوئی ملازم اجازت حاصل کئے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا، اس حکم سے مسلمان مستثنی نہیں ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعدد ازدواج جو مسلم پرسنل لا کا اہم مسئلہ ہے، کو حکومت نے مسلمانوں کے ایک حلقہ کے لئے ممنوع قرار دے دیا، اور اب آسانی کے ساتھ اس حلقہ کو وسیع کیا جا سکتا ہے اور اس حکم کو فیکٹریوں، مختلف قسم کے نیم سرکاری اداروں اور دوسرے سیکٹروں میں کام کرنے والوں پر نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اہم قدم متبنی بل کی شکل میں اٹھایا گیا۔
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس بل کے خلاف آواز بلند کی جس کا اثر حکومت پر ہوا، اور حکومت نے اس بل کے متعلق رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے حوالہ کر دیا بورڈ نے متبنی بل کے سلسلے میں عام مسلمانوں کو صحیح صورت حال سے واقف کرانے کے لئے اردو انگریزی میں رسالے شائع کئے، اخبارات میں مضامین لکھوائے، بورڈ کے معزز ارکان نے جلسوں اور تقریروں میں اسے موضوع بحث بنایا۔ اور جب پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی نے ملک کا دورہ کر کے رائے عامہ جاننے کی کوشش کی تو بورڈ کے ارکان اور پڑھے لکھے مسلمانوں نے ہر مقام پر اس بل کے خلاف شہادت دی، پارلیمنٹ کی کسی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے سامنے کبھی اتنے زیادہ افراد نے اتنے واضح اور مدلل طور پر شہادت نہیں دی تھی۔ مسلمانوں کی اتنی واضح رائے سامنے آنے کے باوجود اس کمیٹی نے نہ فراموش کی جانے والی زیادتی کی ہے کہ اس نے بل کی حمایت میں اپنی رائے دی۔[13]

مسلم پرسنل لاء اور موجودہ بیداری:

دار العلوم فلاح الدارین ترکی سے تعلق رکھنے والے محمد ارشد اعظمی اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "چند ہفتوں سے مسلم پرسنل لا کے مسئلہ پر عام طور سے بہت جوش و خروش دیکھنے میں آرہا ہے۔ اخباروں میں قارئین کے خطوط اور مضامین سے ان کے نقطہ ہائے نظر سامنے آرہے ہیں، عام طور سے لوگ عارف محمد خان کی تقریر پر اظہار نفریں کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، (جو بالکل

[13] Syed Mannat ullah Rehmānī, Uniform Civil Cod (Dehlī: Markazī Daftar Āl India Muslim Personal Law Board, 1974 A.D), 4-8.

مناسب اور درست ہے) کچھ لوگ ان کی ہم نوائی بھی کرتے ہیں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بڑے بڑے جلسے ہو رہے ہیں، اور ان میں بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ امت مسلمہ ابھی بھی زندہ ہے، اور زخموں سے چور اور مصائب سے رنجور یہ امت اب بھی اپنے اندر اپنے دین اور اس کی تعلیمات سے محبت و لگا رکھتی ہے نہایت خوش آئند بات ہے، خدا کرے کہ یہ دینی احساس، مذہبی شعور اور ملی درد باقی رہے بلکہ روز افزوں ہو۔ یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ ہم وقتی نعرہ بازی جلسے جلوسوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں شاید ہم یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بڑے بڑے جلسے پر جوش تقریریں، شعلہ بار صحافت اور حکومت وقت کے خلاف اظہار جذبات سے ہی ہمارے مسئلے حل ہو جائیں گے اور ہم دین و آمد کی پاسبانی کے ذمہ سے عہدہ بر آ ہو جائیں گے، اس کے بعد پھر کچھ اور کرنے کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، یہ طرز فکر اور آئیڈیالوجی نہ صرف یہ کہ کچھ مفید نہیں بلکہ ملت کے وجود کے لئے خطرہ بھی بن سکتی ہے۔

دوسری بات جو بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسائل کے سلسلے میں بڑی سطحی سوچ سے کام لینے کے عادی بن گئے ہیں کسی بھی مسئلے کے پیدا ہونے کی بنیاد کیا ہے، وہ کیا کمزوری ہے جس کی بناء پر یہ مسئلہ پیدا ہوا، اس کی کھوج لگانے اور بنیادی کمزوری کو دور کرنے کی طرف ہم بہت کم توجہ دیتے ہیں اور ہم اپنے سارے مسائل کا ذمہ دار حکومت اور حکومت کے وزرا و لیڈران کو قرار دیدیتے ہیں۔ اردو کا مسئلہ ہو، اقلیتوں پر ظلم و ستم کا مسئلہ ہو، مسلم پرسنل لا کا مسئلہ ہو ساری ذمہ داری بڑی آسانی سے چند لوگوں پر ڈال دی جاتی ہے، گویا اگر وہ صحیح ہو جائیں تو سارے مسئلے حل اور ساری خامیاں خود بخود عنقا ہو جائیں گی۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قوموں کا زوال و عروج ان کے ذاتی حالات پر ہی مبنی ہوتا ہے، کوئی حکومت کسی قوم کو تباہ نہیں کر سکتی، جب تک کہ وہ خود تباہی کے سامان نہ کرے، تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کی تعلیمات کو ختم کرنے والی حکومتیں خود ختم ہو گئیں لیکن خود دار قوم کی ثقافت ان کی اقدار و تعلیمات زندہ رہیں، اسی طرح ہماری زبان، ہمارا کلچر، دین و مذہب، ہمارا ممتاز وجود کبھی لیڈروں کی موافقت، ہماری، نظر کرم کا مرہونِ منت نہیں، حکومتیں آئیں گی، پالیسیاں بدلیں گی، اور ہم اپنی جگہ منارہ نور اور مشعل ہدایت بن کر چمکیں گے بشرطیکہ ہم اپنے وجود کو باقی رکھنے کا عزم بالجزم کر چکے ہوں ہم اپنی زندگی کو ٹھیک کر چکے ہوں گرم دم گفتگو کے بجائے گرم دم جستجو رکھتے ہوں اور گفتار کے غازی بننے کے بجائے کردار کے غازی بن جائیں"۔[14]

اس گفتگو سے بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ایک واضح راہ ہموار ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ وہاں مسلم پرسنل لاء اور دیگر احکاماتِ شرعیہ کے استحکام کی کوشش کر سکتے ہیں۔[15]

خلاصہ:

یہ مضمون "مسلم پرسنل لاء انڈیا کے عصری خدوخال" کے موضوع پر تفصیلی جائزہ پیش کرتا ہے، جس میں اس کی تاریخی بنیادوں کو بیان کیا گیا ہے اور اس کی موجودہ دور میں اہمیت کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مضمون کا آغاز مسلم پرسنل لاء کے تعارف سے ہوتا ہے جس میں آزاد ہندوستان اور انگریزی دور میں اس کی موجودگی اور اطلاق کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کیسے مختلف تاریخی دورانیوں میں اس قانون کی ترقی ہوئی اور مسلم کمیونٹی کی تبدیل ہوتی ضروریات کے مطابق اسے ڈھالا گیا۔ اس کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام

---

14 Mahnāmah Dār al-Ulūm Deoband, Mawlāna Marghūb al-Rehmān, March, 1986 A.D, 178.

15 Mawlāna Syed Abu al-Hassan Alī Nadvī, Muslim Personal Law ki Ṣahih Noaiyat o Ehmiyat (India: Khanqah Rehmāniyah, 1985 A.D), 15.

اوراس کے اہداف اور بورڈ کی اسلامی قوانین کے تحت ذمہ داریوں کو واضح کیا گیا ہے۔ مضمون میں بورڈ کی معاصر قانونی اور سماجی فریم ورکس میں اسلامی اصولوں کو برقرار رکھنے کی کوششوں پر توجہ دی گئی ہے۔

مزید برآں، مضمون میں بورڈ کے عالمی اسلام کے تناظر میں کردار کو دیکھا گیا ہے، جہاں پر بورڈ روایتی اسلامی قانون اور جدیدیت کے درمیان توازن قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ نئی سماجی حقیقتوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اختتام پر، مضمون میں موجودہ بیداری اور مسلم پرسنل لاء کے اثرات پر بحث کی گئی ہے، جس میں اس کا جدید سماجی اور سیاسی حالات کے مطابق دور حاضر میں کردار کو سمجھا گیا ہے۔ اس تجزیہ سے مضمون مسلم پرسنل لاء کے پیچیدگیوں اور اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔

تجاویز و سفارشات:

1: قانونی اصلاحات کی ضرورت:

مسلم پرسنل لاء کو جدید دور کے مطابق ڈھالنے کے لیے قانونی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ماہرین قانون، علماء کرام اور سماجی کارکنان کی مدد سے ایک جامع نظر ثانی کی جائے تاکہ یہ قوانین جدید سماجی معیارات کے ساتھ مطابقت رکھ سکیں۔

2: خواتین کے حقوق کا تحفظ:

مسلم پرسنل لاء میں خواتین کے حقوق کی مزید وضاحت اور تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے حقوق کو مزید مضبوط بنانے کے لئے تعلیمی پروگرامز اور آگاہی مہمات کا انعقاد کیا جا سکتا ہے۔

3: تعلیم و آگاہی:

مسلم کمیونٹی میں قانونی آگاہی بڑھانے کے لیے تعلیمی پروگرامز کو فروغ دینا چاہیے۔ مدارس اور جامعات میں قانونی تعلیم کے نصاب کو اپ ٹوڈیٹ کرنا، جس میں مسلم پرسنل لاء کے جدید پہلوؤں کو شامل کیا جائے۔

4: بین المذاہب مکالمہ:

مسلم پرسنل لاء اور دیگر مذہبی قوانین کے درمیان تفہیم و مکالمہ کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ ایسے مکالماتی سیشنز کا اہتمام کیا جا سکتا ہے جو بین المذاہب ہم آہنگی اور مشترکہ معاشرتی اقدار کو فروغ دے سکیں۔

5: تحقیق و جائزہ:

مسلم پرسنل لاء پر مستقل بنیادوں پر تحقیق اور جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں تحقیقی مراکز اور ادارہ جات کو مزید فعال کرنا چاہئے تاکہ وہ موجودہ قوانین کے اثرات اور ان کے عملی نفاذ کا بہتر جائزہ لے سکیں۔